www.emarsiya.com

مرثیہ (۱۱)

آمد ہے جگر بندِ شہِ قلعہ شکن کی
سرداروں پہ ثابت ہے جدائی سرِ تن کی
ہے تیغ بکف قوتِ بازوئے شہِ دیں کا
غل ہے کہ علمدارِ حسین آتا ہے رن میں
مردے بھی تہِ خاک لرزتے ہیں کفن میں
غازی کی سواری نہیں خیمے سے بڑھی تھی

رنگِ رخِ خورشید ہوا جاتا ہے تغیر
سہما ہوا مخفی شکمِ قوس میں ہے تیر
جمعیتِ عالم کے یہی نشر کا دن ہے
کہتے ہیں ملک عرش کے پائے کو سنبھالے
کیا غزوۂ خندق میں بہے خون کے نالے
نقشہ نظر آجائے گا پھر جنگِ اُحد کا

خود شیر ہے جد شیر چچا شیر پدر شیر
پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر
تلتے نہیں میداں سے یہ پیشہ ہے انھیں کا
تلوار کے بچپن سے یہی لوگ دھنی ہیں
قبضے میں انھیں کے ہنرِ تیغ زنی ہیں
جب آگئے ہیں غیظ میں یہ عرش ہلا ہے

لشکر میں تلاطم ہے زمیں ہلتی ہے رن کی
سمٹی ہیں رگیں خوف سے شیروں کے بدن کی
تھمتا نہیں ماہی پہ قدم گاوِ زمیں کا
ہے تہلکہ مصر و حلب و روم و ختن میں
پھرتے ہیں ہرن چوکڑی بھولے ہوئے بن میں
شیروں کو نیستاں میں تپِ لرزہ چڑھی تھی

جویا ہے ستاروں کی نمرہ کا فلکِ پیر
مریخ کے قبضے سے چھٹی جاتی ہے شمشیر
سیاروں پہ ثابت ہے کہ یہ حشر کا دن ہے
گیتی کو خدا آج تباہی سے بچالے
ہیں قلعۂ خیبر کے یہی توڑنے والے
پوتا ہے لڑائی پہ چڑھا بنتِ اسد کا

نعرے ہیں جدا شیر کے دل شیر جگر شیر
کیونکر نہ ہو اس طرح کے شیروں کا پسر شیر
کہتے ہیں نجف جس کو وہ بیشہ ہے انھیں کا
جاں باز و دلاور ہیں قریشی مدنی ہیں
سر بات پہ دیتے ہیں غنی ابنِ غنی ہیں
ورثہ میں انھیں زورِ یداللہ ملا ہے

www.emarsiya.com

جانبازوں سے لے جا نہیں سکتا کوئی بازی
ہے سب سے قوی بازوئے سلطانِ حجازی
ساونت ہیں یہ جان کی پروا نہیں ان کو
ہے خوف کے مارے پسرِ سعد کا منہ زرد
ہے شور کہ بازار شجاعوں کے ہوئے سرد
ہے بے خبری فوج کو آمد کی خبر ہیں
رن میں نہیں شمشیر ابھی شیر کی چمکی
طاقت گئی یک دست دلیروں کے قدم کی
جی چھوڑے ہوئے کوفی و شامی ہیں ابھی سے
بے جنگ مڑی جاتی ہیں تلواروں کی دھاریں
جو آپ ہی کشتہ ہوں وہ تیغیں کسے ماریں
سر بر کوئی جھنجھلائے ہوئے شیر سے کیا ہو
ظاہر میں تو موجود ہے سب جنگ کا اسباب
کس طرح چھپیں امن کا گوشہ تو ہے نایاب
بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کے پھر مڑتے ہیں ڈر کر
تفتیش کو جاسوس چلے جاتے ہیں ہر بار
ناگاہ خبر لیکے پھرا ایک خبر دار
غل ہے حرمِ شاہ میں فریاد و فغاں کا
سیدانیاں نکلی ہیں شہِ دیں کو سنبھالے
چلاتے ہیں شہ ہائے مری گود کے پالے
بیتابیِ شبیر پہ گھبراتے ہیں عباس

مر جانے کو اک کھیل سمجھتے ہیں یہ غازی
کر سکتا ہے شیروں پہ کوئی دست درازی
ہٹتے ہوئے رن سے کبھی دیکھا نہیں ان کو
رنگ اڑتا ہے آندھی سے جو اٹھتی ہے کبھی گرد
باندھے ہوئے ہتھیار لرزتے ہیں جواں مرد
ڈھالوں کو تو ہنسوانسے ہیں تیغیں ہیں کمر میں
ہیبت سے لرزتی ہیں صفیں فوجِ ستم کی
ہر دم کا ارادہ ہے کہ لے راہ عدم کی
سارے علمِ فوج سلامی ہیں ابھی سے
خود تیغ کے گھاٹ اتریں گے سرکش کہ اتاریں
ہے سامنا ایسوں کا جو لاکھوں سے نہ ہاریں
جب ہاتھ میں رعشہ ہو تو شمشیر سے کیا ہو
دریا کے نگہبانوں کا زہرہ ہے مگر آب
اترے ہوئے چلّوں کو چڑھانے کی نہیں تاب
پتا بھی کھڑکتا ہے تو گر پڑتے ہیں ڈر کر
ہیں کان لگائے ہوئے سب فوج کے سالار
خیمے سے برآمد ہوئے عباسِ علمدار
گھر سب تہ و بالا ہے امامِ دوجہاں کا
ہیں سب کو مگر فاطمہ کی جان کے لالے
ہیں ہم مرے غمخوار مرے چاہنے والے
جھک کر قدمِ شہ سے لپٹ جاتے ہیں عباس

www.emarsiya.com

شہ کہتے ہیں سر بھائی کا چھاتی سے لگا کر
مرجائیں گے ہم داغ نہ دو ہم کو برادر
کہتا ہے علمدار کہ یا سبطِ پیمبر
حسرت ہے کہ بچوں کے لبِ خشک کرو تر
بھائی کی سعادت جو کرے بھائی کی خدمت
کوثر ہے مرے واسطے سقائی کی خدمت

اک چھوٹی سی لڑکی ہے کہ جینے سے ہے بے آس
ہاتھوں سے نہیں چھوٹتی وہ دامنِ عباس
کہتی ہے چچا جان بجھا دیجئے مری پیاس
اقرار کیئے جاؤ کب آؤ گے مرے پاس
گر دیر لگی تم کو تو جینے کی نہیں ہیں
پھر پانی بھی آئے گا تو پینے کی نہیں ہیں

منہ چوم کے کہتے ہیں یہ عباس دلاور
جلد آئیں گے گھبراؤ نہ تم اے مری دلگیر
اب تک تو وغا کرنے کو جا چکتا وہ صفدر
ہے دیر کی یہ وجہ کہ سب پیٹتے ہیں سر
بھائی کا نہ دکھلائے خدا داغ کسی کو
ڈیوڑھی پہ غش آیا ہے حسین ابنِ علی کو

سب حال ابھی کہہ نہ چکا تھا وہ خبردار
جو پیک دوم نے یہ کہا آن کے اک بار
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ حیدرِ کرّار
آتا ہے وہ بجلی سا چمکتا ہوا رہوار
لشکر لیئے ساتھ آیا ہے اقبال و حشم کا
ابر اس کو نہ سمجھو یہ پھریرا ہے علم کا

بے ڈول ہیں تیور خلفِ شیرِ خدا کے
لشکر کی صفیں دم میں الٹ دیگا وہ آکے
ایک آن میں آ پڑتا ہے گھوڑے کو اڑا کے
جیتے رہو دیکھو کہے رکھتا ہوں جتا کے
بھاگو گے صفوں سے تو نکلنا نہ ملے گا
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنا نہ ملے گا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
پنہاں ہوئی گرد اور کئی باری نظر آئی
شانِ حسنِ قدرتِ باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
آتا تھا جری گھوڑے کو دابے ہوئے رو میں
اور پھولوں کی لپٹیں چلی آتی تھیں جلو میں

آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ
سینوں میں جگر ہل گئے چہروں سے اڑا رنگ
سب سوچ میں تھے دیکھیے اب ہوتا ہے کیا رنگ
بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے
بے جنگ کیئے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

آپہونچا قریب اتنے ہیں حیدر کا وہ پیارا
تھا شور کہ اللہ نظر کا نہیں یارا
کثرت یہ نہ ہوگی ید بیضا میں ضیا کی
گویا وہ کمانیں ہیں یہ ابروئے خمیدہ
قرباں ہے شہ دیں کا دلِ درد رسیدہ
دل چھد گئے بکسر نگہِ غیظ جدھر کی
چتون میں غضب شبیر کا آہو سے بڑی آنکھ
تیر اُس کو لگا جس سے لڑائی میں لڑی آنکھ
یوں غیظ سے شیروں کو بھی تکتے نہیں دیکھا
اللہ رے صنع قلمِ کاتبِ تقدیر
یہ حاشیۂ خط یہ رُخِ بازوے شبیر
دیکھی یہ لطافت نہ کبھی پھول کی بو میں
ہے جوشِ جوانی پہ بہارِ گلِ رُخسار
ہے نکہتِ فردوس غبارِ گلِ رُخسار
محفوظ بہر رنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
بہتر ہے کہیں پارۂ یاقوت سے ہر لب
گویا ہیں نزاکت سے دو برگِ گلِ تر لب
باتوں میں فصیحانِ عرب بند ہوئے ہیں
غنچے کا ہے کیا منہ جو مقابل ہو دہن سے
لانا بزباں بات کا مشکل ہو دہن سے
عالم میں گروہِ شعرا ایک زباں ہے

لشکر نے کیا حسن کے گلشن کا نظارا
سجدے کا نشاں ہے کہ یہ ہے صبح کا تارا
خورشید پہ اختر ہے یہ قدرت ہے خدا کی
دونوں بہم اور ایک سے پھر ایک کشیدہ
بے مثل کماندار ہیں یہ مردمِ دیدہ
پلکیں نہیں پر گیر باں ہیں تیرِ نظر کی
آہن کا بھی دل نرم ہو ڈالے جو کڑی آنکھ
تھرا گیا جس شخص پہ غصے سے پڑی آنکھ
پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا
حیرت میں ہے بہزادِ بیاں صورتِ تصویر
ہے نور کا سورہ ورقِ ماہ پہ تحریر
بینی ہے نشانی کی طرح مصحفِ رو میں
کہتی ہے نزاکت کہ نثارِ گلِ رُخسار
اور طوطیِ خط آئنہ دارِ گلِ رُخسار
دو ٹکڑے کفِ حور پہ ہیں سیبِ جناں کے
مردے کو دکھا دیں لبِ عیسیٰ کا اثر لب
بے مثل ہیں شیریں سخنی میں یہ شکر لب
یاں یوسفِ مصری کے بھی لب بند ہوئے ہیں
دیکھے تو خجالت اُسے حاصل ہو دہن سے
خود سر بگریباں ہو یہ قائل ہو دہن سے
عقدہ نہ کھلے گا کہ یہ اسرارِ نہاں ہے

www.emarsiya.com

کلیوں سے چمن کی بھی معطر ہیں یہ دنداں
ہیرے کے نگینوں سے بھی بہتر ہیں یہ دنداں
حیرت ہی صفا دیکھ کے ان دانتوں کی صف کی

کیا حسن ہی کیا نور ہی کیا صاف گلا ہی
مہتاب اگر کہیے انصاف گلا ہی
دعوے کرے کس منہ سے قمر جلوہ گری کا

اللہ ری ضیا رشک رخِ حور ہی گردن
روشن صفتِ آئینہ نور ہی گردن
کب جلوۂ خورشید ٹھہرتا ہی نظر میں

کس حسن سے تیار ہیں اس ماہ کے شانے
تھے ایسے ہی حیدر سے شہنشاہ کے شانے
ہاتھ آیا تھا جعفر کو نہ جاہ و حشم ایسا

ہیں ماہیِ دریائے شجاعت یہی بازو
ہیں بازوے شبیر کی قوت یہی بازو
ہم پنجہ ہو طاقت یہ تہمتن کی نہیں ہی

خوبی میں زمانے سے نرالے ہیں یہ ساعد
بارِ سپر و تیغ سنبھالے ہیں یہ ساعد
پہنچے کو کسی حور کا پہنچا نہیں پہنچا

کیا پنجہ ہی اس صاحبِ صمصام کا پنجہ
ہم پنجہ نہ پنجے سے ہو ضرغام کا پنجہ
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کو بنی ہیں

گویا فلکِ حسن کے اختر ہیں یہ دنداں
ہی جن کا بہا خلد وہ گوہر ہیں یہ دنداں
دو لعلوں میں تسبیح ہی اک دُرِ نجف کی

ای اہلِ نظر لائقِ اوصاف گلا ہی
آئینۂ بلور سے شفاف گلا ہی
غیرت سے یہاں بند ہی دم حور و پری کا

مانندِ قمر حسن سے معمور ہی گردن
پروانے ہیں دل شمعِ سرِ طور ہی گردن
دیکھی یہ صباحت نہ کبھی نورِ سحر میں

ہیں جیسے بھرے سیدِ ذی جاہ کے شانے
رکھتے تھے یہی شان یداللہ کے شانے
اس دوش کے اوپر ہو تو ہو وے علم ایسا

رکھتے ہیں یداللہ کی طاقت یہی بازو
شیروں کو بھی دیتے ہیں ہزیمت یہی بازو
کچھ جنگ میں حاجت انھیں جوشن کی نہیں ہی

سانچے میں فقط نور کے ڈھالے ہیں یہ ساعد
ہاں کفر کا در توڑنے والے ہیں یہ ساعد
اس حسن کو حسنِ یدِ بیضا نہیں پہنچا

انگشت ملائے تو پھرے سام کا پنجہ
مخصوص یہ شمشیر کے ہی کام کا پنجہ
پنجے پہ وہ قربان ہیں جو پنجتنی ہیں

www.emarsiya.com

روشن گرِ مصباحِ انامل ہیں یہ ناخن
یوں دیکھو تو رشکِ مہِ کامل ہیں یہ ناخن
قطعِ نظر اس کی صفتیں اور بھی سو ہیں

مصروفِ ثنا تھی سپہِ شام کہ ناگاہ
نعرہ کیا ضیغم نے کہ اے لشکرِ روباہ
بھاگی ہے وہ جس فوج پہ وار اپنے چلے ہیں

گھر حسن کا اور علم کا گنجینہ ہے سینہ
دل بغض سے خالی ہے تو بے کینہ ہے سینہ
ہے غیرتِ آئینہ تن اس رشکِ قمر کا

آمادہ ہے دل باپ کی خیبر شکنی پر
تیار ہر انگشت ہے شمشیر زنی پر
تن عطر ہیں خوشبو سے پسینے کی بسا ہے

ہٹنے کے نہیں قاف کے ہمسر یہ قدم ہیں
شاہوں کے سروں کے لیے افسر یہ قدم ہیں
گیتی جو الٹ جائے تو پروا انھیں کب ہے

ہے جس کا پدر قاتلِ کفار وہ میں ہوں
جو لشکرِ دیں کا ہے علمدار وہ میں ہوں
چاہی نہیں مشکل میں مدد جن و ملک سے

خادم ہوں میں اُس کا جو نبی کا ہے نبیرا
ہم شیروں کا طفلی سے شجاعت ہے وتیرا
کب بند کھلا جو اسد اللہ نے باندھا

حلالِ دو صد عقدۂ مشکل ہیں یہ ناخن
ترشیں تو مہِ نو کے مقابل ہیں یہ ناخن
ہر ہفتہ میں دس بدر ہیں اور دس مہِ نو ہیں

میداں سے بڑھا ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر ہے اسد اللہ
ہم بیشۂ ضرغامِ الٰہی کے پلے ہیں

رخ شمعِ تجلّی ہے تو یہ سینہ ہے سینا
دشمن سے بھی ہے صاف وہ آئینہ ہے سینہ
اس پہلو سے پہلو نظر آتا ہے اُدھر کا

قربان ہے جان آلِ رسولِ مدنی پر
شاہد ہے کمر شیر کی نازک بدنی پر
پٹکے کو عجب حسن سے مرنے پہ کسا ہے

چھوڑیں گے نہ جا سدِّ سکندر یہ قدم ہیں
ہاں زورقِ اسلام کے لنگر یہ قدم ہیں
ثابت قدمی کفشِ دلاور کا لقب ہے

کہتے ہیں جسے صفدر و جرار وہ میں ہوں
رکتی نہیں جس شیر کی تلوار وہ میں ہوں
تلوار ہمارے لیے اُتری ہے فلک سے

درگاہِ خدا میں ہے دُعا جس کی پذیرا
گہوارے میں اژدر کو مرے باپ نے چیرا
عفریت کے ہاتھوں کو ید اللہ نے باندھا

www.emarsiya.com

عالم میں لقب صاحبِ صمصام ہے کس کا
شہرہ بجہاں روم سے تا شام ہے کس کا
حیدر کے سوا شیرِ خدا نام ہے کس کا
کاٹے پرِ جبریل کو یہ کام ہے کس کا
انساں کوئی جنات کے لشکر سے لڑا ہے
کون آگ میں پانی کے لیئے کود پڑا ہے

مرحب پہ چلی کون سے جرار کی شمشیر
اور عمر ہوا کس کی زبردستیوں سے زیر
کس شخص نے صفین میں لاشوں کے کیئے ڈھیر
جو قاتلِ عنتر ہے کہو کون ہے وہ شیر
کس سے ہوا جو کام ہوا دستِ علی سے
خیبر کا وہ در تھا کہ اکھڑتا وہ کسی سے

خندق پہ اسے توڑ کے پل کر دیا کس نے
بشاش دلِ ختمِ رسل کر دیا کس نے
مصباحِ رہِ کفر کو گل کر دیا کس نے
تا چرخِ بریں فتح کا غل کر دیا کس نے
تھی لشکرِ کفار میں صد حیف کی آواز
یاں عرش سے تا فرش تھی لاسیف کی آواز

چکھا ہے شجاعوں نے مزا تیغ کے پھل کا
حیدر کی نہ تھی ضرب طپانچہ تھا اجل کا
پوشیدہ ہے قصہ نہ احد کا نہ جمل کا
بت توڑے ہیں کعبے میں ابھی ذکر ہے کل کا
اس دن کے شرف کیا شبِ معراج سے کم تھے
سر عرش پہ تھا دوشِ محمد پہ قدم تھے

بتلاؤ لقب فاتحِ صفین ہے کس کا
حق جس سے نمودار ہے وہ دین ہے کس کا
ہر فعلِ حسن لائقِ تحسین ہے کس کا
آئینہ کرے دیں کو یہ آئین ہے کس کا
گر بدر میں وہ شیر پئے جنگ نہ جاتا
آئینۂ ایماں سے کبھی زنگ نہ جاتا

مصحف کی عبارت سے عیاں شانِ علی ہے
ذاتِ احدی آپ ثنا خوانِ علی ہے
خورشید کو رجعت ہو وہ فرمانِ علی ہے
جن و ملک و انس پہ احسانِ علی ہے
محسن سے پھرے کیوں سبب اس کا نہیں کھلتا
بے اُن کی عنایت کوئی عقدہ نہیں کھلتا

ہے سورۂ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت
سمجھو اُسے مصباحِ شبستانِ ہدایت
یہ مصحفِ ناطق کے صحیفے کی ہے آیت
پایا ہے شرف وہ کہ نہیں جس کی نہایت
شبیر ہے یوں آلِ رسولِ دوسرا ہیں
یٰسین ہے جس طرح سے قرآنِ خدا ہیں

www.emarsiya.com

اس صولت و شوکت سے رجز خواں ہوا ضیغم
بے جنگ صفیں ہونے لگیں درہم و برہم
سرکا کے سپر نحس سے خود چترِ زری کو
منہ پھیر کے عباس نے قبضے پہ دھرا ہاتھ

اے کعبۂ تسلیم و رضا قبلۂ حاجات
واللہ جواں آپ سے نایاب جہاں ہیں
آئے ہیں اس وقت مدارات کروں کیا
مشکیزے کو بھر لیجیے حاضر ہے یہ دریا
کچھ مجھ سے دغا ہو تو قسم لیجیے اگر

مرضی ہو تو لکھ دوں میں ابھی خطِ غلامی
آپ آئیں تو ہو وے ابھی یہ فوج اسامی
گر آپ کا دل صاف ہو بندے کی طرف سے
منہ دیکھ کے اُس کا متبسم ہوئے عباس

میں جانتا ہوں ہے تجھے ایسا ہی مرا پاس
میں کیا ہوں ہر اک طفل بھی اس گھر کا جری ہے
بچپن سے غلامی میں رہا کرتا ہوں دن رات
لازم ہے محمد کے نواسے کی مدارات
ملتی ہے نجات اُن کے سوا کس کے ملے سے

ہے مدح کے قابل پسرِ حضرتِ زہرا
حاضر ہے کوثر بھی ہے اور سایۂ طوبےٰ
شبیر کے ہم دامنِ دولت میں پلے ہیں

تھرا گئے دل کانپ اُٹھا لشکرِ اظلم
نکلا پسرِ سعد لعیں فوج سے اس دم
کی دور سے تسلیم علمدارِ جری کو
تب کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ بدذات

میں فوج سے کرتا ہوں ثنا آپ کی دن رات
حضرت سے اولوالعزم زمانے میں کہاں ہیں
بندے کو سرافراز کیا شکر کی ہے جا
اب دھوپ میں ہیں آپ مجھے ہوتی ہے ایذا
سایہ میں مرے چتر کے دم لیجیے اگر

ہے فخر کہ آقا ہو مرا آپ سا نامی
جھک جھک کے قدمبوس ہوں سب کوفی و شامی
نذریں لیے سردار بڑھیں فوج کی صف سے
فرمایا کہ جو کہتا ہے تو لائے خدا راس

پر بھائی سے برگشتہ ہوں میں اس کی نہ رکھ آس
بھائی کے تصدق سے مری ناموری ہے
اُن کا جو نہ ہوں میں کوئی پوچھے نہ مری بات
ہے اُن کی ملاقات پیمبر کی ملاقات
مل اُس سے کہ ملتا ہے خدا جس کے ملے سے

میں بندۂ ناچیز ہوں تعریف مری کیا
پانی کی نہ خواہش نہ ہمیں چتر کی پروا
سایہ میں جو اُن کے ہیں وہ طوبیٰ کے تلے ہیں

www.emarsiya.com

ہے چتر سے بہتر علمِ شاہ کا سایہ
حق مجھ پہ رکھے فاطمہ کے ماہ کا سایہ
پروا نہیں حصّے میں اگر زر نہیں آیا
آقا سے کدورت ہے غلاموں سے صفائی
پچھتائے گا اچھی نہیں نیکوں سے بُرائی
شبیر کو ایذا ہے مجھے رنج بڑے ہیں

سوچا عمرِ سعد کہ خالی گئے سب وار
وہ چپ جو ہوا بول اُٹھا شمرِ ستمگار
حاکم ہے زبردست نہ کچھ زور چلے گا
یہ سنتے ہی عبّاس کو غیظ آگیا اک بار
بڑھ کر کہا کیا بکتا ہے او ظالمِ غدّار
مرتد ہے مےِ کفر سے سرمست ہے ظالم

کیا منہ ہے جو بھائی پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
بجلی سی جو چمکے تو کوئی تاب نہ لائے
ہے زینبِ دل سوختہ جس میں وہ گھر ہے
یہ کہہ کے سروہی کو علمدار نے کھینچا
نقشہ ملک الموت کا تلوار نے کھینچا
دہشت سے ہرن دشت کی حد چھوڑ کے بھاگے

بجلی سی جو چمکی تو پرندوں کے اُڑے ہوش
سب کوہ کے دامن میں درندے ہوئے روپوش
ہلتی تھی زمیں شورِ دف و صنج و دہل تھا
پنجہ یہ نہیں سر پہ ہے اللہ کا سایہ
ہے ظلِ ہما سیدِ ذی جاہ کا سایہ
یہ چتر سلیماں کو میسر نہیں آیا

ہرگز یہ مدارات تری مجھ کو نہ بھائی
وہ پیاسے ہوں اور پانی پیئے ساری خدائی
ڈیوڑھی کے قریں دھوپ میں بے سایہ کھڑے ہیں
قابو میں کسی طرح نہ آئے گا علمدار
کیوں کرتے ہیں بیعت میں تامل شہِ ابرار
سر تیغ سے کٹ جائے گا خیمہ بھی جلے گا

تھرانے لگا جسم اُگلنے لگی تلوار
یاں کچھ ترے حاکم کی حقیقت نہیں نہار
کیا دستِ خدا سے بھی زبردست ہے ظالم
رستم ہو تو مہلت نہ مری تیغ سے پائے
جل جائے وہ خیمہ کے جلانے کو جو آئے
سیدانیوں کی آہ میں بجلی کا اثر ہے

باگوں کو ادھر فوجِ ستمگار نے کھینچا
سر خوف سے بانی ہیں ہر اک مار نے کھینچا
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑ کے بھاگے
گھر چھٹ گئے بچوں کی ہوئی یاد فراموش
تھرّانے لگے کان کھڑے کر کے سیہ گوش
شیر آتا ہے چیتے ہو چیتوں میں غل تھا

www.emarsiya.com

رانوں میں علمدار نے گھوڑے کو جو مسکا
اڑنے میں تامل نہ ہوا ایک نفس کا
ممکن نہ ہوا کا گزر اُس تک نہ ہوس کا
غل تھا یہ چھلاوا ہے کہ سایہ ہے فرس کا
شبدیزِ نظر کو بھی رسائی نہیں دیتا
ہاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمک تیغِ دودم کی
یاں گر کے گئی واں ادھر آئی تو وہ چمکی
تاب اس کی ہر اک راہ دکھاتی تھی عدم کی
جل جل کے صفیں خاک ہوئیں فوجِ ستم کی
غل تھا کہ چلے آگ سے کیا زور بشر کا
تلوار نہ سمجھو یہ زباں ہے سقر کا

ہم گھاٹ پہ ہیں۔ نہر ادھر ہے اُدھر آتش
ہے زیرِ قدم آگ تو بالائے سر آتش
میداں میں ہے دوزخ کی طرح شعلہ ور آتش
کھینچے لئے جاتی ہے میانِ سقر آتش
بچ کر کرۂ نار سے کس طرح نکل جائیں
بھاگیں تو گریں نہر میں یاں ٹھہریں تو جل جائیں

جب تیغ پکڑ کر پسرِ عقدہ کشا آئے
کس طرح سے نیزوں کا ہر اک بند نہ تھرائے
ٹوٹے ہوئے دل ہوں تو ظفر کیا کوئی پھر پائے
ٹوکے کوئی ضیغم کو کہاں سے یہ جگر لائے
شیروں سے جہاں میں کسے یارا ہے وغا کا
اور شیر بھی وہ شیر جو ہے شیرِ خدا کا

یہ زور گھٹا ہے کہ کمانیں ہیں کبادے
ہیں چلّہ نشیں تیر ہوئے سست ارادے
ہیں کشمکشِ فوج سے پامال پیادے
غل تھا کسی گوشے میں کوئی ہم کو چھپا دے
ہوں تیرِ اجل کا جو نشانہ تو بجا ہے
سید سے لڑے کیوں یہ ہماری ہی خطا ہے

روباہوں کی فریاد کو سنتا تھا نہ وہ شیر
تھا جوشِ شجاعت سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
سن سن صفِ اعدا پہ چلی جاتی تھی شمشیر
پشتے کہیں کشتوں کے کمانوں کے کہیں ڈھیر
ترکش تھے قلم تیغ سے بیداد گروں کے
ایک ایک قدم خاک پہ تودے تھے سروں کے

جس صف پہ گئی تیغ وہ بیجاں نظر آئی
سر کاٹ کے یاں سے جو پھری واں نظر آئی
گرتی ہوئی بجلی سرِ میداں نظر آئی
دم میں کہیں سیل اور کہیں طوفاں نظر آئی
اعجاز کے انداز دمِ جنگ دکھائے
اک آبِ دمِ تیغ نے سو رنگ دکھائے

www.emarsiya.com

کاٹے ہوئے نیزوں کے کہیں بند پڑے تھے
جو زخمی تھے آنکھیں وہ کئے بند پڑے تھے
پنجہ کہیں بازو کہیں اور شانے کہیں تھے
تھے غرق بخوں خود کسی جا تو کہیں سر
چار آئنے ٹکڑے تھے کہیں اور کہیں مغفر
ہاتھ اُن کے نہ تھے تن پہ بہادر جو بڑے تھے

یوں سُرخ ہوا خوں سے دمِ تیغِ ہلالی
کھینچی قلمِ فکر نے تصویرِ خیالی
دل آب ہے غربت پہ شہِ تشنہ گلو کی
اک ضرب اُس تیغ کی دشمن نے اُٹھائی
خفت دمِ شمشیر سے جوشن نے اُٹھائی

اِک دم میں مغفر تھا نہ سر تھا نہ گلا تھا
کر دیتی تھی ہر چشم کو خیرہ چمک اُس کی
کیوں دھوم سما سے نہ ہے تا سمک اُس کی
مقراض سی چلتی تھی تنِ اہلِ ستم پر
ہر ضرب میں سر برچھیوں والوں کے اُڑائے
دم میں ورقِ اعدا کے رسالوں کے اُڑائے

کم چلتی ہے ایسی بھی ہوا باغِ جہاں میں
بڑھ کر جو کوئی شیرِ غضبناک پہ آیا
تلوار کا سر گردنِ سفاک پہ آیا
چھوٹا نہ جہنم کا کنارا سقری سے

ترخوں میں جوانانِ تنومند پڑے تھے
تھا باپ کہیں اور کہیں فرزند پڑے تھے
پہنچے کہیں جا پہنچے تھے دستانے کہیں تھے
بکھری ہوئی کڑیاں کہیں جوشن کی سراسر
گھوڑوں کے کہیں زین کہیں باگیں کہیں پاکھر
تلواروں کے پھل ڈھالوں کے پھولوں میں پڑے تھے

جیسے لبِ معشوق پہ ہو پان کی لالی
لیکن نہیں یہ بات بھی کچھ رنگ سے خالی
تلوار بھی پیاسی ہے لعینوں کے لہو کی
دو تھا جو سپر سر پہ تہمتن نے اُٹھائی
تن کیا ہے شکست اُس سے جب آہن نے اُٹھائی

لوہے کو بھی کھا جاتی تھی منہ تھا کہ بلا تھا
دوزخ کے دہانے سے سوا تھی لپک اس کی
کرتے ہیں صفت سیف زباں آج تک اُس کی
بس قطعہ یہ جامہ تھا اُسی تیغِ دودم پر
ٹکڑے صفِ جنگاہ میں بھالوں کے اُڑائے
پھل تیغ کے پھول آہنی ڈھالوں کے اُڑائے

سر اُڑتے تھے یوں برگ اُڑیں جیسے خزاں میں
خالق کا غضب اُس سگِ ناپاک پہ آیا
سر اُڑ کے گرا نہر میں تن خاک پہ آیا
دوزخ میں یہ خشکی سے گیا اور وہ تری سے

www.emarsiya.com

جس طرح تپاں رن میں صفِ فوج کو دیکھا
جب فرد کو دو کرکے پھرے زوج کو دیکھا
جاتی تھی جو اک برق سی گردوں پہ چمک کے
یاں سے کبھی واں، واں سے چمک کے ادھر آئی
اُس صف سے زرہ پوشوں کو چُن تک کر ادھر آئی
شمشیر مہِ نو تھی کہیں ہالہ کہیں تھی

ہر وار میں چلّوں کو کمانوں سے اُڑایا
بڑھ بڑھ کے پھریروں کو نشانوں سے اُڑایا
جو راہ ہوئی بند وہ تدبیر سے کھولی
چلّے کو اگر بڑھ کے کماں دار نے کھینچا
ہاتھ اپنا اُدھر ڈر کے جفاکار نے کھینچا
سہما ہوا وہ دشمنِ دیں غش میں پڑا تھا

ہزاروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
اس طرح پرے خاک پہ دو چار گرائے
گرتی تھی جو اک برق سی بیداد گروں پر
چار آئنہ کو کاٹ کے اس شیر کی تلوار
آہن پہ بھی رکتی نہ تھی وہ صاعقہ کردار
تھی پنج تنی تیغ نئے ڈھنگ تھے اُس کے

اُس تیغ نے سب رن کی زمیں خوں سے رنگی
کوفی کہیں کشتے، کہیں رومی، کہیں زنگی
ہر طائرِ جاں ڈھونڈھتا تھا راہِ عدم کو

بیتاب تلاطم میں نہ یوں موج کو دیکھا
دیکھا کبھی پستی کو کبھی اوج کو دیکھا
کرتے تھے ملک بند دریچوں کو فلک کے
بے سر ہوئی وہ صف تو لپک کے ادھر آئی
یہ واں گئی اور آگ بھڑک کر ادھر آئی
بجلی تھی کہیں شعلۂ جوّالہ کہیں تھی

ہاتھوں کو جواں مردوں کے شانوں سے اُڑایا
جرّار نے نیزوں کو سنانوں سے اُڑایا
نیزہ کی گرہ ناخنِ شمشیر سے کھولی
جوں کارِ رُبا تیر کو تلوار نے کھینچا
تلوار نے چھوڑا تھا کہ بس نار نے کھینچا
اِک رشتۂ جاں لاکھ کشاکش میں پڑا تھا

کس طرح اُٹھے جس کو وہ تلوار گرائے
جیسے کوئی فولاد کی دیوار گرائے
جا پڑتے تھے اِس صف کے سر اُس صف کے سروں پر
یوں تن میں در آتی تھی کہ صابوں میں جوں تار
خود و زرہ و بکتر و دستانے تھے بیکار
یہ چار تو ہر وار میں چو رنگ تھے اُس کے

مارے گئے جتنے تھے جواں فوج میں جنگی
ہل چل تھی کہ سینوں میں نفس کرتے تھے تنگی
پر تن سے نکلنے کی نہ جا ملتی تھی دم کو

www.emarsiya.com

اسواروں کے تن بے تگ دو ہو گئے بے سر
سو رہ گئے دو سو میں تو سو ہو گئے بے سر
تھا شور کہ بھاگو کسے طاقت ہے وغا کی
غازی سے جو لڑنے سپہ شام میں آئے
پہنے جو زرہ جامے کو اندام میں آئے
سمجھے ہو غلط یہ کہ حصار آئنہ ہو گا
شعلہ کی لپک فوج کو دکھلا کے پھر آئی
دریا سے چمک کر گئی لہرا کے پھر آئی
مہلت ہو جو دم بھر تو کسی گھاٹ سے بھاگیں
بجلی سی اُدھر صف پہ گری اور اِدھر اُٹھی
گر سنگ پہ بیٹھی تو بسانِ شرر اُٹھی
رہ رہ کے اُڑاتی تھی جو اعدا کے سروں کو
قوت اسد اللہ کی غازی نے دکھائی
لشکر شکنی شیر حجازی نے دکھائی
لڑنے جو بڑھا ڈر سے لہو گھٹ گیا اُس کا
بجلی میں نہ ایسی کبھی چھل بل نظر آئی
تاروں سے چمکتی ہوئی ہیکل نظر آئی
دریا تھا کہ دکھلا کے روانی نظر آیا
جاں باز قوی ہیکل و خوش رو و توانا
دو روز سے نہ کاہ میسر تھی نہ دانا
صرصر تھا کسی جا تو کہیں کبک دری تھا

بھاگے سپر یں روک کے تو ہو گئے بے سر
دس میں جو بچا ایک تو نو ہو گئے بے سر
موج آتی ہے دریا کی طرح بحر فنا کی
آہو کی طرح پنجۂ ضرغام میں آئے
دی موت نے آواز کہ اب دام میں آئے
دم میں نہ زرہ ہو گی نہ چار آئنہ ہو گا
دس بیس کے سر خاک پہ برسا کے پھر آئی
چلاتے تھے ناری کہ اجل جا کے پھر آئی
حیراں ہیں کہاں مرگِ مفاجات سے بھاگیں
بازو تھا قلم ہاتھ سے جس کے سپر اُٹھی
جس غول سے جس صف سے اُٹھی خوں میں تر اُٹھی
چھاتی تلے جبریل چھپاتے تھے پروں کو
شان اپنی لڑائی کی نمازی نے دکھائی
بجلی کی تڑپ شست میں تازی نے دکھائی
گھوڑے کی بڑی ٹاپ کے سر پھٹ گیا اُس کا
کاوے تھے کہ پھرتی ہوئی اک کل نظر آئی
آیا وہ جدھر فوج میں ہل چل نظر آئی
جب ٹاپ پڑی خاک سے پانی نظر آیا
کوڑا کسے کہتے ہیں کبھی اُس نے نہ جانا
کاووں میں بھلا لگتا تھا کیا جھوم کے آنا
پڑی ہیں جو طاؤس تو اُڑتے میں پری تھا

www.emarsiya.com

گردن تلک اسوار چھپے پیش و پس ایسا
سائے پہ بھی بل کرتا تھا فاقوں میں کس ایسا
مرکب جو لڑائی میں خدا دے تو بس ایسا
اسوار جو ایسا ہو تو ہووے فرس ایسا
رف رف بھی اس انداز سے فر فر نہیں جاتا
یوں تختِ سلیماں بھی ہوا پر نہیں جاتا

تھا شور کہ بھاگو یہ لڑائی ہی علی کی
پنجہ یہ علی کا یہ کلائی ہی علی کی
جرأت اسی جرّار نے پائی ہی علی کی
بے سر ہوئے جاتے ہیں دہائی ہی علی کی
ای شیرِ ژیانِ اسد اللہ اماں دے
ای قوّتِ بازوے یداللہ اماں دے

اب نیست کا اپنی کوئی اسباب نہیں ہی
دہشت سے تری کس کا جگر آب نہیں ہی
گھر موت کا ہی تیغ کی اب آب نہیں ہی
تلوار نہ چمکا کہ ہمیں تاب نہیں ہی
کر رحم محمد کے نواسے کا تصدّق
یہ مشک ہی جس کی اسی پیاسے کا تصدّق

نوشاہ کے اس لاشۂ پامال کا صدقہ
اکبر کی جوانی کا اور اقبال کا صدقہ
پیاسے علی اصغر کے سن و سال کا صدقہ
خوں اب نہ بہا فاطمہ کے لال کا صدقہ
دم بند ہوئے ڈر سے تری تیغِ دو دم کے
آزاد کر اب ہم کو تصدّق میں علم کے

حقا کہ تجھے قوّتِ خیبر شکنی ہی
تلوار کا مالک ہی شجاعت کا دھنی ہی
بس اب نہ بگڑ ہم سے کہ جانوں پہ بنی ہی
تو فیض کا دریا ہی غنی ابنِ غنی ہی
مشہور ہی قاتل پہ جو احسان کیے ہیں
حیدر نے تو دشمن کے گنہ بخش دیے ہیں

حضرت نے سنی جب یہ لعینوں کی دہائی
کیا رحم ہی امّت کے لیے چشم بھر آئی
گھبرا کے بلندی سے یہ آواز سنائی
بس بس مرے بھائی مرے بھائی مرے بھائی
اس وقت اماں دے انھیں گو بے ادبی کی
عباس میں قربان یہ امّت ہی نبیؐ کی

روتا ہوں سنی جاتی نہیں مجھ سے یہ فریاد
دشمن کی بھی ہم لوگ سدا کرتے ہیں امداد
بچوں پہ مرے ہووے تو ہو پیاس کی بیداد
مرجائے سکینہ مگر امّت نہ ہو برباد
پانی نہیں ملتا تو چلے آؤ برادر
آکر مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر

www.emarsiya.com

غازی نے صدا دی کہ میں ہوں تابعِ فرماں
اقبال سے حضرت کے مرے ہاتھ ہے میداں
میداں کی تو سب خون میں سرشار صفیں ہیں
پھر آنے کا موقع نہیں اے عاشقِ باری
سنتے نہیں دشمن کی کبھی منّت و زاری
اُمّت نے ہمیں خوب رضامند کیا ہے

یہ کہہ کے لیا شیر نے دریا کا کنارا
اک آن میں تلوار کے گھاٹ اُن کو اُتارا
تیر آئے ہزاروں پہ نہ گھائل ہوئے عباس
پانی میں یکایک جو پڑا عکس علم کا
ٹپکا جو پسینہ رُخِ سقائے حرم کا
کوسوں گئی پھولوں کی مہک دشتِ بلا سے

دی خضر نے آواز کہ اے یوسفِ ثانی
رو کر یہ پکارا اسد اللہ کا جانی
خشکی میں تباہی ہے سفینے پہ نبی کے
جل جائے کلیجہ تو نہ میں پیاس بجھاؤں
حسرت ہے کہ یہ مشک لئے خیمہ میں جاؤں
تلواریں بھی برسیں تو نہ تیور پہ بل آئے

فرما کے یہ رکھا تہہِ راں تیغِ دودم کو
پھر جھک کے بھرا مشکِ یتیمانِ حرم کو
کیا ساتھ دیا پیاس میں اُس بحرِ عطا کا
بندے سے وغا کرتے ہیں یہ دشمنِ ایماں
اب نہر کو لیتا ہے غلام اے شہِ ذی شاں
باقی فقط اب گھاٹ کی دو چار صفیں ہیں

مر جائے گی بن پانی سکینہ مری پیاری
ہر تش میں جلا دینے کے قابل ہیں یہ ناری
پردیسیوں پر آبِ رواں بند کیا ہے
پھرتی سے جھپٹ کر اسے مارا اُسے مارا
ہٹتا ہوا لشکر متفرق ہوا سارا
تلوار لیئے نہر میں داخل ہوئے عباس

تھا پنجۂ خورشید کہ آئینے میں چمکا
پانی میں ملا عطرِ گلِ باغِ ارم کا
فردوس کی بو آگئی دریا کی ہوا سے
گرمی میں گوارا ہو تجھے نہر کا پانی
ہیہات ہے اے آقا کو مرے تشنہ دہانی
اطفال تڑپتے ہیں حسین ابنِ علی کے

کوثر کا ہو پانی تو نہ لب تک اُسے لاؤں
ٹھنڈا مرا دل ہو جو سکینہ کو پلاؤں
جینے کا مزہ کیا جو وفا میں خلل آئے
اور داب لیا دوسرے زانو سے علم کو
دریا سے نکالا فرسِ تیز قدم کو
افسانہ رہا خلق میں گھوڑے کی وفا کا

www.emarsiya.com

دیکھا جو عمر نے کہ چلا شاہ کا غمخوار
لو مشک لیے جاتا ہے عباسِ علمدار
ہے موت جو قابو میں نہ یہ شیر آب آیا
ہے شیث کدھر لیکے کمانداروں کو جائے
نوفل بھی پرا اپنے سواروں کا جمائے
خشکی میں نبی زادوں کی کشتی کو ڈبو دو
جو تیر بہادر کے لگا دے وہ گہر لے
یاور جو نہ ہو مہر مری فرد پہ کر لے
کچھ غم نہیں مجھ کو جو خزانہ مرا لٹ جائے
پانی کے نہ دینے سے ہم ان شیروں بچ رہیں
دنیا میں یہی مالکِ شمشیر و سپر ہیں
پانی جو گیا خیمۂ شاہِ شہدا میں
ساحل سے بڑھا آتا ہے وہ گھاٹ پہ جاؤ
مشکیزہ سے پانی تو لہو تن سے بہاؤ
دیکھوں میں کہ یاں جشن ہے واں بزمِ عزا ہے
آنکھوں سے میں دیکھوں کہ گرا گھوڑے سے عباس
یہ مشک و علم خون میں تر آئے مرے پاس
خلعت تمہیں پہناؤں کہ آرائشِ تن ہو
یہ سن کے پھری دور سے بھاگی ہوئی سب فوج
نقارہ جو بجتی فرد وہ ڈھول کے ہوئی زوج
دم لیکے صفِ جنگ میں شہنا نے صدا کی

چلانے لگا پیٹ کے زانو وہ جفاکار
دوڑو صفتِ ابر کرو تیروں کی بوچھار
مشکیزہ گیا خیمے تلک اور غضب آیا
نیزوں کی سناں ابن حسن بڑھکے ہلائے
سقائے حرم راہ نکلنے کی نہ پائے
ہاں خوں میں سکینہ کے بہشتی کو ڈبو دو
اس شیر کو جو سرخ کرے خوں میں وہ زر لے
ہر لیکے پھرے جو وہ سپر آن کے بھر لے
عباس علمدار اگر بھائی سے چھٹ جائے
ہٹتے ہیں کوئی یہ اسد اللہ کے پسر ہیں
تلواروں میں آنے کے لیے سینہ سپر ہیں
یہ آگ لگا دیویں گے میدانِ وغا میں
جب جانوں جو اس شیر کا سر کاٹ کے لاؤ
تیغوں سے چراغِ شہِ مرداں کو بجھاؤ
ٹوٹے کمرِ سبطِ پیمبر تو مزا ہے
کانوں سے سنوں میں کہ سکینہ ہوئی بے آس
غل ہو کہ نہ شبیر کے بچوں کی بجھی پیاس
اور لاش علمدار کی محتاجِ کفن ہو
جس طرح کہ آندھی سے سمندر میں اٹھے موج
افتادہ نشانوں کو دوبارا ہوا پھر اوج
بیٹھی ہوئی آواز کھلی طبلِ وغا کی

www.emarsiya.com

سب شام کی فوج ابنِ یداللہ پہ آئی
سب تیروں کی بوچھار جو ذی جاہ پہ آئی
روکیں سپریں سب نے قدم پیچھے ہٹا کے
کس طرح رکے ایک سے دو لاکھ کا ریلا
سقائے یتیمانِ حرم جان پہ کھیلا

اس جنگ کو پوچھے کوئی اُس تشنہ جگر سے
لاکھوں سے لڑے یوں علمِ شہ کو سنبھالے
فرصت یہ کہاں تیر جو سینہ سے نکالے
سر زخمی ہے خون بہ کے ٹپکتا ہے گلے سے
تھا شور کہ یہ شیرِ ژیاں جانے نہ پائے
بازوئے امامِ دوجہاں جانے نہ پائے

برباد کرو محنتِ سقائے سکینہ
ملتی جو نہ تھی راہ تو حیراں تھا علمدار
ہر ضرب میں سر خاک پہ گر پڑتے تھے دو چار
سرخ آنکھیں تھیں غصہ سے پسینہ تھا جبیں پر
ناگاہ پسِ پشت گئے دو ستم ایجاد
مکار ستمگار دغا پیشہ و کینا دو

جو مشک کو تاکے تھے نظر اُن کی ادھر تھی
شانے پہ جو ظالم نے برابر سے کیا وار
غصے میں جو قاتل پہ چلے داب کے رہوار
عباسِ دلاور کو اسی ہاتھ کا غم تھا

کس شور سے گھنگور گھٹا ماہ پہ چھائی
تلوار کی بجلی صفِ گمراہ پہ آئی
اک دم میں دو ہوئیں اڑ گئے ڈھالوں کی گھٹا کے
اک قہر کا دریا تھا پہ کیا کیا اُسے جھیلا
واحسرت و دردا وہ ہزاروں پہ اکیلا

پانی نہ ملا ہو جسے پچیس پہر سے
کچھ مشک پہ آفت ہو تو کیوں کر اُسے ٹالے
دم لینے میں سو جسم پہ پڑ جاتے تھے بھالے
پر مشک ہٹاتے نہیں چھاتی کے تلے سے
ہاں غازیو ہاں تشنہ دہاں جانے نہ پائے
جس گھر کا بہشتی ہے یہ واں جانے نہ پائے

گر پیاس سے مرتی ہے تو مر جائے سکینہ
رہتی ہیں تگ و دو سے تھکا جاتا تھا رہوار
ٹوٹی ہوئی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خانۂ زیں پر
تھا ایک حکیم ابنِ طفیل اک بنِ ورقاد
ساوات کو کعبہ میں کریں ذبح وہ جلاد

پہلو سے اجل آتی ہے اس کی نہ خبر تھی
جس ہاتھ میں تھی تیغ قلم ہو گیا اک بار
ہیہات چلی وہ ہیرے قاتل کی بھی تلوار
وہ ہاتھ بھی رہتی ہیں گر جس میں علم تھا

www.emarsiya.com

اِک چوٹ لگی دل پہ گرا جب علمِ شاہ
کیا ہمّتِ عالی تھی ارادہ تھا عجب واہ
اس وقت عجب شان تھی اُس تشنہ دہن کی
مجبور تھا غازی کہ نہ تھی ہاتھ میں شمشیر
واحسرت و دردا کہ لگا مشک پہ اک تیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ

دریا پہ ہوا شور کہ ضرغام کو مارا
واللہ بڑے صاحبِ صمصام کو مارا
لڑ کر علمِ صاحبِ معراج لیا ہے
پہونچی یہ صدا کان میں حضرت کے جو ناگاہ
خم ہو کے پکارے کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
لو صاحبو حضرت پہ فدا ہو گیا بھائی

تم ساتھ رہو باپ کے اے اکبرِ مہرو
اُٹھ اُٹھ کے کئی بار گرے ہیں شہِ خوش خو
اِک دم بھی جدا ہو گے جو اس وقت پدر سے
اب کوئی نہیں شاہ کے جینے کا سہارا
ڈیوڑھی پہ غُل سُن کے سکینہ نے پکارا
کیوں روتے ہیں قربان میں شاہِ شہدا پر

کہہ دے کوئی پانی نہیں ملتا تو نہ لائیں
پانی پہ لگے آگ وہ دریا پہ نہ جائیں
صدقے میں قصور اُن کی محبّت میں نہیں ہے
چلّائے یہ کیا قہر ہوا اے مرے اللہ
پکڑے ہوئے تھا مشک کو دانتوں میں وہ ذیجاہ
گویا دہنِ شیر میں گردن تھی ہرن کی

ہر سو نگراں تھا کوئی بنتی نہ تھی تدبیر
پانی جو بہا اور بھی حالت ہوئی تغیر
مشکیزے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ
پیاسا شہِ مرداں کے گُل اندام کو مارا
لو فتح ہوئی شاہِ خوش انجام کو مارا
صفّین کے کشتوں کا عوض آج لیا ہے

بیکس پہ گرا یاس میں کوہِ غمِ جاں کاہ
دوڑی یہ بیاں کرتی ہوئی زینبِ ذیجاہ
ہے ہے مرے بھائی سے جدا ہو گیا بھائی
ماتم ہے جواں بھائی کا دل پر نہیں قابو
تھامو مرے ماں جائے کا ٹوٹا ہوا بازو
میں بالوں کو بکھرا کے نکل آؤں گی گھر سے

عاشق مرے ماں جائے کا دنیا سے سدھارا
کیا کہتے ہو تم سب ارے لوگو کسے مارا
کیا دشت میں کچھ بن گئی ہے میرے چچا پر
زخمِ تبر و تیر و سناں تن پہ نہ کھائیں
ہے ہے مرے مظلوم پدر کو نہ رلائیں
کیوں لڑتے ہیں پانی مری قسمت میں نہیں ہے

www.emarsiya.com

ہے ہے کہیں لٹ جائے نہ زہرا کی کمائی
معلوم تھی مجھ کو تو مقدر کی بُرائی
اس پیاس نے شرمندہ کیا سبطِ نبی سے
تھا زوجۂ سقائے سکینہ کا عجب حال
کہتی تھی گیا نہر پہ کیوں فاطمہ کا لال
بے وجہ یہ حالِ شہِ دیں غیر نہیں ہے
میں رانڈ ہوئی دل مرا دیتا ہے گواہی
یہ ایک اُدھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی
پیاسے پہ جو کوہِ غمِ جاں کاہ گرا ہے
فضہ سے کہا پردے کا اس وقت نہ کر دھیان
ہے ہے مجھے ماتم کا نظر آتا ہے سامان
دریا پہ ہیں یا شام کے لشکر میں نہاں ہیں
فضہ گئی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی
سیدانیو مارا گیا شبیر کا بھائی
ڈیوڑھی سے ہٹو لشکرِ غم آتا ہے لوگو
طور اُن کی مُلاقات کا اب حشر پہ ٹھہرا
تھامے ہیں کمر زخم کلیجے میں ہے گہرا
پانی جو بہا جان گنوا دی اسی غم میں
رہوار بھی کوتل ہے کہ مارا گیا اسوار
منہ دیکھ کے دریا کی طرف تکتا ہے رہوار
آنسو ہیں رواں خاک میں سب بال اٹے ہیں

مر جاؤں گی زخمی جو ہوا شاہ کا بھائی
پچھتاتی ہوں کیوں خشک زباں اُن کو دکھائی
اب آنکھ مری چار نہ ہووے گی کسی سے
ماتھا تو بھرا خاک سے اور بکھرے ہوئے بال
غل کیسا ہوا الٹ گیا لوگو مرا اقبال
اللہ کرے خیر مگر خیر نہیں ہے
پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
کس کس سے لڑے دلبرِ ضرغامِ الٰہی
یا مشک چھدی یا علمِ شاہ گرا ہے
بچے مرے روتے ہیں لبوں پر ہے مری جان
لا دے مرے وارث کی خبر میں ترے قربان
دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں
تھا لب پہ مکرر کہ دُہائی ہے دُہائی
حیدر کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
عباس نہ آئیں گے علم آتا ہے لوگو
خم ہو گئی ہے ہے کمرِ دلبرِ زہرا
افشاں ہے لہو سے علمِ دیں کا پھریرا
تیروں سے چھدی مشک لٹکتی ہے علم میں
ہرنے سی لگی ہے سپر و تیغِ علمدار
سر زخمی ہے ڈھلکا ہوا زین خوں سے ہے گلنار
گردن ہے چھدی تیروں سے اور بال کٹے ہیں

www.emarsiya.com

حضرت کو ہے بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفِ ماتم
پردیس میں عموں سے چھٹی ہائے سکینہ
فضہ نے کہا یہ جو بصد گریہ و زاری
سرپیٹ کے بیوہ عباس پکاری
لوگو شہِ والا کے مصاحب نہیں آئے
ناگہ علمِ شاہ چمکتا نظر آیا
مشکیزۂ بے آب لٹکتا نظر آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
تھامے ہوئے دامانِ علم سبطِ پیمبر
رایت کو سنبھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر
عمو پہ تمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
ڈیوڑھی سے جھکا کر جو اسے خیمے میں لائے
غل پڑ گیا ہے ہے اسد اللہ کے جائے
پیاسے گئے پانی نہ پیا نہر میں جا کے
عباس کے فرزند تڑپتے تھے زمیں پر
کہتا تھا بڑا خاک پہ سر اپنا پٹک کر
دِل سینے میں بیتاب ہے ٹکڑے ہیں جگر کے
سب خیمے میں ہیں ہائے ان کو کیا کس کے حوالے
سمجھاتے تھے اکبر اسے گودی میں سنبھالے
تڑپو نہ کہ بے تاب امام دو سرا ہیں
پرسے کے لیئے آئیں گے اب فخر
پیٹیں وہیں سر کھول کے سب بیبیاں ہائے
تھامو اسے ایسا کہ نہ مر جائے سکینہ
ہے ہے کا ہوا غل کہ زمیں ہل گئی ساری
مجھ کو تو دکھا دو مرے وارث کی سواری
ہے ہے علم آیا مرے صاحب نہیں آئے
ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا نظر آیا
اور خوں پھریرے سے ٹپکتا نظر آیا
صدمے سے علم کے بھی کمر ٹوٹ گئی تھی
خوں منہ پہ ملے چاک گریبان کھلے سر
حمزہ کی وفات آج ہوئی اٹھ گئے حیدر
بس آخری ہے آج زیارت یہ علم کی
حضرت کے حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
مشکیزہ بھی تیروں سے چھدا زخم بھی کھائے
صدقے تری سقائی کے قربان وفا کے
تھامے تھے حسین ایک کو اور ایک کو اکبر
للہ ہمیں چھوڑ دو اس وقت برادر
سر پیٹنے ہم جائیں گے لاشے پہ پدر کے
لاشے کو کہیں فوجِ ستم روند نہ ڈالے
رستہ نہیں دینے کے انھیں برچھیوں والے
لاشے کی نگہبانی کو واں شیرِ خدا ہیں

www.emarsiya.com

ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ اُمم سے
یہ تشنہ جگر قابلِ تعزیر ہے لوگو
عاشق نے مرے میرے لئے جان گنوائی
اب شاہ کہاں پائیں گے اس طرح کا بھائی
جاتے ہوئے کیا شان تھی کیا جاہ و حشم تھا
اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہے ہے
کیا جانتی تھی بیچ یہ پڑ جائے گا ہے ہے
روکے نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اس شور میں زینب سے کہا شاہ نے کہ جاؤ
زینب نے کہا بانوئے بیکس ادھر آؤ
تقدیر نے لوٹا اُسے آفت کے سفر میں
لے آئیں اُسے بی بیاں کرتی ہوئی زاری
دیکھو تو ذرا خوں میں بھری مشک ہماری
مشکیزہ تو دیکھا تنِ صد پاش کہاں ہے
یہ سُن کے اُٹھے خاک سے روتے ہوئے سرور
بھاوج سے یہ فرمایا کہ اے بیکس مضطر
لاشا نہ اُٹھانا یہ وصیت ہے اخی کی
پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بیکس و ناچار
دم گھٹنے لگا سینے میں تڑپا یہ دلِ زار
طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر

ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹتی تھی علم سے
چلاتی تھی فریاد چچا چھٹ گئے ہم سے
کیوں پانی کو بھیجا مری تقصیر ہے لوگو
جیتی رہی رونے کو مجھے موت نہ آئی
پانی جو نہ پایا مجھے صورت نہ دکھائی
اُن ہاتھوں کے قرباں میں جن میں یہ علم تھا
کون اب مرے مشکیزہ کو بھر لائے گا ہے ہے
ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہے ہے
اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے
اب زیرِ علم زوجۂ عباس کو لاؤ
پہلے جو مناسب ہو تو رنڈ سالہ پنھاؤ
اک ن تھا کہ یہ بن کے دلھن آئی تھی گھر میں
چلائی سکینہ کہ چچی جان میں واری
وہ زیرِ علم خاک پہ گر کر یہ پکاری
بتلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہے
مسند پہ لٹایا علم اور ڈال دی چادر
مجبور تھا دریا سے میں لاتا انھیں کیوں کر
سمجھو کہ یہی لاشِ ہے عباسِ علی کی
معلوم ہوا صاف کہ ہے لاشِ علمدار
تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار
غش ہو گئی منہ رکھ کے سکینہ کے قدم پر

www.emarsiya.com

چلاّئے حرم ہائے علمدار علمدار
نکلا ترا دم ہائے علمدار علمدار
اے شیر جواں کس کی نظر کھا گئی تجھکو
کیا پیٹے گی ماں جائے گی جب گھر میں سُنانی
یوں مٹ گئی ہے ہے شہِ مرداں کی نشانی
روئیں گے جوانانِ مدینہ ترے غم میں

اے سیدِ لب تشنہ کے غمخوار برادر
اے بھائی کی راحت کے طلبگار برادر
کہتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں روتے ہو بھائی
اس مدح میں ہر چند خموشی ہے مرا ننگ
تھا صبح بھی انیس آج کے پڑھنے کا نیا ڈھنگ
حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بستانِ عزا ہے

لوٹے گئے ہم ہائے علمدار علمدار
تنہا ہے علم ہائے علمدار علمدار
بتیس برس کا تھا کہ موت آگئی تجھ کو
مادر کو بڑھاپے میں دیا داغِ جوانی
خوں بہہ گیا اور ہاتھ نہ آیا ترے پانی
مر جائے گی ناشاد سکینہ ترے غم میں

مظلوم کے بیکس کے مددگار برادر
غمخوار خوش اطوار وفادار برادر
خاک اُڑتی ہے یاں نہر پہ تم سوتے ہو بھائی
پر ہے دلِ حاسد کی طرح وقت بہت تنگ
ہر مصرعِ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ
تھوڑی سی بھی مہلت جو فلک دے تو مزا ہے

رباعی

خورشیدِ شرف برجِ شرف میں ہوگا
جوہر معدن میں دُر صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں گرو دفن اُسے
جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا

رباعی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے